ہندوستان میں تحریری افسانوں کی ابتداء ''رگ وید''(۱۰۰۰ ق م) سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد ''اپ نشد'' (۸۰۰ ق م)، ''مہا بھارت'' (۴۰۰ ق م)، ''پران جاتک '' (۳۰۰ ق م)، ''پنج تنتر'' (۲۰۰ ق م)، ''تہو پدیش''وغیرہ کتابوں میں افسانوں کی کثیر تعداد ملتی ہے۔ [۱]

مندرجہ بالا تاریخی حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ خطۂ ہندوستان کا معاشرہ کہانی سننے، سنانے اور لکھنے میں کتنی قدیم روایت کا حامل ہے۔ اس کی جڑیں کس قدر گہری اور دور تک سرایت کر گئی تھیں۔ مگرایک نکتہ غور طلب ہے اور وہ یہ کہ ہندوستان میں ''تحریری افسانوں کے ابتدائی نقوش میں جو موضوعات زیرِ بحث آئے، اُن میں سے اکثریت کا تعلق مذہب اور روحانی موضوعات سے تھا اور ان کا پسِ منظر کچھ یوں ہوتا تھا کہ معاشرے میں مذہبی اقدار اور رسومات کو رائج کرنے کے لیے افسانوں کا سہارا لیا جاتا''۔ [۲]

یہاں یہ بات بتانا ضروری ہے کہ اردو میں قصّہ کہانی کی روایت بلا واسطہ عرب و عجم سے منسلک ہے۔ کچھ مقامی اثرات کے باعث سنسکرت سے بھی داخل ہوئیں۔ مگر فارسی سے ماخوذ اور ترجمہ کردہ قصوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس طرح مختلف زبانوں کا حسین امتزاج ہمیں اردو زبان کے افسانوں میں نظر آتاہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو افسانوں کی گروہ بندی بالکل نا ممکن ہے۔ اس صنف ادب کے لیے ہمارے پاس جتنے الفاظ اب تک چلے آ رہے ہیں ''افسانہ، داستان، قصہ، حکایت اور کہانی وغیرہ۔ مگر ان کامفہوم قطعی طور پر معین نہیں ہے''۔ [۳]

ڈاکٹر مسعود رضا خاکی کا بھی یہی خیال ہے۔ ''اٹھارویں صدی کے شعرائے اردو میں افسانہ یا افسانہ سے قصہ، کہانی ، داستان ، سرگزشت ، روئیداد، چرچا، ذکر، بے اصل، طویل و غیرہ مراد لیتے تھے''۔ [۴]

اردو میں افسانے کی ابتداء

پیارے لال شاکر میرٹھی کے خیال کے مطابق : ''لقمان کی کہانیاں ہمارے مختصر افسانوں کی ابتدائی صورت ہیں۔ جس طرح آج کل کسی اہم کام سے تفہیم کے لیے یا حقیقت کے اظہار کے لیے مختصرافسانے سے کام لیا جاتا ہے۔ وہی کام عہد قدیم میں کہانی سے لیا جاتا تھا''۔ [۵] اس ضمن ڈاکٹر مسعود رضاخاکی کا کہنا ہے ''اردو نثر میں جس قصہ کو سب سے پہلے افسانہ کہا گیا وہ رجب علی بیگ سرور کا ''فسانۂ عجائب '' ہے [۶] ۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اردو میں کہانیوں کا وجود شروع ہی سے رہا ہے۔ جن میں زیادہ تر مذہب ، اخلاق اور پند و نصائح کا بیان تھا۔ مگر اُن کو وہ اہمیت یا حیثیت حاصل نہ تھی جو مثنوی کو حاصل تھی۔ اس سلسلے میں مثنوی کا دامن کافی وسیع نظر آتا ہے۔ جس کا سلسلہ ۱۷ ویں صدی اوائل میں شروع ہوا تھا اور ۱۸ ویں صدی میں بھی جاری رہا۔اس دوران نثری داستانوں کا رواج پڑا۔ جس میں مختلف حکایتوں ، روایتوں، قصوں، کہانیوں اور ماجروں میں بکھری ہوئی اشیاء یکجا ہونے لگیں اور ان تمام کی شیرازہ بندی داستان کے ذریعے عمل میں آئی۔ با الفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ داستان کی کشش نے بکھری ہوئی کہانیوں کو اپنی قوت سے کھینچ کر خود سے جوڑ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ داستان ایک طرف مختلف کہانیوں کا پلندہ ہے

Scanned with CamScanner

اور دوسری طرف ایک طویل کہانی ہے، جو کہانیوں کی چھوٹی چھوٹی کڑیوں سے مل کر بنی ہے۔ اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ نثری داستانوں کے عروج کے دور میں مقناطیس سے چمٹی یہ کہانیاں خود کو داستان سے کاٹ کر علیحدہ حیثیت تسلیم کروانے کا اظہار کر سکتی تھیں۔ جیسے غزل نے قصیدے سے دامن چھڑا کر الگ تشخص کا اعلان کیا اور کہانی نے داستان سے علیحدہ ہو کر "افسانہ" کے وجود کا اعلان کیا۔ میرامن دہلوی کی "باغ و بہار" کے پیرائیہ اظہار نے اردو افسانے کے ابتدائی خدوخال کو نمایاں کرنے میں پہلی اینٹ کا کام انجام دیا۔

بقول عبادت بریلوی: "فنی اعتبار سے مختصر افسانہ ۱۹ ویں صدی کے آخر کی پیدا وارہے جب صنعتی انقلاب کے باعث ساری دنیا ایک تبدیلی سے دو چار ہو رہی تھی" [۷] اس طرح ہندوستانی ادباء کی تحریروں نے افسانہ نویسی کے لیے فضا کو ساز گار کیا۔ اس طرح "داستان گوئی" کے گرانڈیل درخت سے افسانہ کی شاخ پھوٹی جس پر تین کونپلیں بصورت سجاد حیدر یلدرم ، علامہ راشد الخیری اور منشی پریم چند ابھر کر آئیں اور پھول بن کر چار سو خوشبو بکھیرنے لگیں۔

منشی پریم چند کا ابتدائی سوانحی خاکہ

منشی پریم چند کا اصل نام دھنپت رائے تھا۔ وہ ۱۳ جولائی ۱۸۸۰ء کو ضلع وار انسی مرٹھوا کے "لمبی" نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد نے آپ کا نام دھنپت رائے رکھا جبکہ آپ کے چچا نے آپ کا نام پریم چند رکھا۔ ۱۸۸۵ء میں لال پور کے مولوی صاحب کے پاس اردو اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۹۵ء میں گورکھپور سے مڈل کا امتحان پاس کیا۔ بعد میں معلم کی حیثیت سے ملازمت اختیار کی اور ۱۸ روپے ماہوار تنخواہ لیا کرتے تھے۔ بعد ازاں ۱۸۹۹ء میں بنارس میں اسسٹنٹ ٹیچر کی نوکری مل گئی۔ ۱۹۰۰ء میں بیرائچ کے گورنمنٹ سکول میں تقرر ہوا اور ہر پرتاب گڑھ کے ضلع میں تبادلہ ہوا۔ الہ آباد میں جا کر آپ نے پہلی مرتبہ سنجیدگی سے لکھنا شروع کیا۔

۱۹۰۴ء میں جونیئر انگلش ٹیچر کا امتحان پاس کیا اور اسی سال الہ آباد یونیورسٹی سے اردو ہندی کا خصوصی امتحان پاس کیا۔ ۱۹۰۶ء میں آپ کی دوسری شادی ایک بیوہ "شیورانی دیوی" سے ہوئی ۔ ۱۹۰۹ء میں ترقی پا کر سب انسپکٹر آف سکولز ہو گئے۔ ۱۹۱۹ء میں بی۔اے کیا۔ فروری ۱۹۲۱ء میں عدم تعاون کی تحریک کے سلسلے میں ملازمت سے علیحدہ ہوئے۔ ۱۰،اپریل ۱۹۳۶ء کو لکھنؤ میں پہلی مرتبہ انجمن ترقی پسند مصنفین کی صدارت کی۔ ۱۸، اکتوبر ۱۹۳۶ء کو ۵۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔

منشی پریم چند کی ابتدائی ادبی زندگی

آپ کا پہلا ناول "اسرارِ مابعد" رسالہ آوازِ خلق میں ۱۸، اکتوبر ۱۹۰۳ء کو شائع ہوا۔ ۱۹۰۷ء میں دوسرا ناول "کیش نا" کے نام لکھا جواب موجود نہیں۔ اس کے بعد ۵ افسانوں کا مجموعہ "سوزِ وطن" کے نام سے ۱۹۰۸ء میں منظر عام پر آیا۔ جس میں آپ نے آزادی ، حریت، غلامی اور بغاوت کے موضوعات کو چھیڑا۔ حکومتِ برطانیہ نے اس پر پابندی عائد کر دی۔ چنانچہ گورکھ پور کی حکومت نے اس کی تمام نقول حاصل کر کے جلا دیں اور آئندہ کے لیے سخت پابندی عائد کر دی۔ پریم چند نے ان افسانوں میں "نواب رائے" کے

Scanned with CamScanner

قلمی نام سے لکھا۔ بعد میں پریم چند کے نام سے لکھنا شروع کیا۔

منشی پریم چند کا افسانہ نگار ی میں مقام

اس بحث میں پڑے بغیر کہ اردو کا پہلا افسانہ نگار کون ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اردو کا پہلا اہم اور بڑا افسانہ نگار پریم چند ہے۔ اردو ادب میں یہ ایک ایسا نام ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہندوستان کے دوسرے افسانہ نگاروں کی طرح آپ نے پیار ، محبت، عشق، ہیرو، ہیروئن جیسے سطحی موضوعات کو اپنے اظہار کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ حقیقت پسندی کی طرف اپنے ذہن و قلم کا رُخ جمایا۔ آپ کے قلم سے ہندوستان کی مٹی کی خوشبو آتی ہے۔ آپ کی افسانہ نگاری کو چار ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔

منشی پریم چند کی افسانہ نگاری کے ادوار

ڈاکٹر مسعود حسین خان نے اپنے مضمون ''پریم چند کی افسانہ نگاری کے دور'' میں ان کی افسانہ نگاری کے چار ادوار بتائے ہیں۔

پہلا دور : ۱۹۰۳ء تا ۱۹۰۹ء تک ابتدائی کوشش

دوسرا دور : ۱۹۰۹ء تا۱۹۲۰ء تک تاریخی اور اصلاحی افسانے

تیسرا دور : ۱۹۲۰ء تا۱۹۳۲ء تک اصلاحی اور سیاسی افسانے

چوتھادور : ۱۹۳۲ء تا۱۹۳۶ء تک سیاسی اور فکری افسانے

پریم چند کی افسانہ نگاری کا آغاز بیسویں صدی سے ہو جاتا ہے۔ ۱۹ ویں صدی کی کالونیاں ۲۰ویں صدی میں کئی نئے ادیبوں سے آشنا ہو گئی تھیں۔ اردو شاعری میں اقبال نے ایک نئی جہت اور احتجاجی لہر کا آغاز کیا۔ ۱۹ویں صدی کا معذرت خواہانہ لہجہ آہستہ آہستہ احتجاج میں بدل گیا۔ جنگِ عظیم اول ۱۹۱۴ء اور انقلاب روس ۱۹۱۷ء نے سامراجی قوتوں کے رعب میں رخنہ ڈال دیا تھا۔ پریم چند بھی اسی نیم سیاسی دور سے متاثر ہوئے۔ ''سوزِ وطن'' اسی دور کا اظہار ہے۔

ادب کے ذریعے انقلاب اور معاشرے میں تبدیلی لانے کا تصور پریم چند کی ابتدائی کہانیوں ہی سے سامنے آ گیا تھا۔ اس حوالے سے وہ مقصدی ادب کی ایسی تحریک کا تسلسل تھے جو ۱۹۵۷ء کے بعد سر سید اور ان کے رفقاء کے ہاتھوں شروع ہوئی تھی۔ آپ کی ابتدائی کہانیوں میں حقیقت نگاری کا پہلو نمایاں رہاہے۔ پریم چند اس نکتہ سے واقف تھے کہ حقیقت نگاری کا محدود تصور فن کو تباہ کر دیتا ہے۔

بقول شمیم حنفی: ''پریم چند کہانی کی اوپری سطح پر ہی حقیقت کا التباس قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے نیچے وہ آزادی چاہتے ہیں۔''

بقول سید وقار عظیم: ''وہ اپنی قوم اور ملک کی ہر اس چیز کو پرستانہ نظروں سے دیکھتے ہیں جو اسے دوسری قوموں سے ممتاز کرتی ہے۔''

موضوعاتی اعتبار سے تقسیم

موضوعاتی اعتبار سے منشی پریم چند کے افسانوں کو تین بڑے حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔جب ان پرداستانوں کا اثر تھا۔

۲۔جب وہ حب الوطنی کے جذبے سے سرشار تھے

Scanned with CamScanner

۱۔جب ان پرداستانوں کا اثر تھا۔

۲۔جب وہ حب الوطنی کے جذبے سے سرشار تھے۔

۳۔جب انھوں نے انسانی نفسیات کا مطالعہ طبقاتی جبر کے

حوالے سے کیا۔

پریم چند کے افسانوں میں رومانیت اور حقیقت نگاری کا امتزاج

زندگی کے خارجی معاملات اور معاشرے کی صحیح عکاسی حقیقت نگاری کہلاتی ہے جبکہ رومانیت میں زندگی کے باطنی پہلو اور وجدانی معاملات کو اہمیت دی جاتی ہے۔ اس حوالے سے رومانیت میں تخیل کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر محمد عالم خان کے مطابق ''رومانوی ادیب زندگی کی عکاسی ایک مصور کی حیثیت سے کرتاہے جبکہ حقیقت پسند، زندگی کو فوٹو گرافرکی آنکھ سے دیکھتا ہے۔''

پریم چند کے ہاں ہمیں دونوں رویے ملتے ہیں۔ ایک طرف سماج کی سچی اور کھری تصویریں جبکہ دوسری طرف تخیل کی رنگ آمیزی ملتی ہے۔ ڈاکٹر محمد عالم خان کی رائے کے مطابق ''پریم چند کے ہاں رومانیت کا تصور ایک سماجی پہلو لیے ہوئے ہے اور وہ زندگی کی تلخ حقیقتوں سے انحراف نہیں کرتے''۔

پریم چند بنیادی طورپر طبقاتی جبر کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ فرد کی آزادی کو بھی اہم سمجھتے ہیں۔ ان کی رومانیت پر وطن پرستی کا رنگ غالب ہے جس کا اظہار ان کی ابتدائی کہانیوں سے ہوتا ہے۔ پریم چند محبت کا تصور رومانوی اثرات کے ساتھ ساتھ تلخ حقائق کا اظہار کرنے سے کتراتے ہیں۔ کیونکہ ان کا تصور محبت سماجی روایت سے منسلک ہے۔ جس میں محبت کے کئی رنگ موجود ہیں۔ جس میں حب الوطنی، کچلے ہوئے طبقات سے ہمدردی، مادی حقائق کی اہمیت کو تسلیم کرنا وغیرہ۔

بقول ڈاکٹر محمد عالم خان: ''پریم چند خیال کو مادے پر اہمیت دیتے ہیں اور یہی وہ بنیادی فرق ہے جو ان کو اپنے ہم عصر افسانہ نگاروں سے جدا کرتا ہے''۔

ماضی پسندی، الم پسندی اور اضطراب و جستجو کو پریم چند کی رومانیت کے بنیادی عناصر قرار دیا جا سکتاہے۔ دوسرے افسانہ نگاروں کی طرح وہ آنکھ سے چیزوں کو نہیں دیکھتے بلکہ سماجی رویوں کے حوالے سے پہچان کراتے ہیں۔ ان کے یہاں تخیل کی بلندی ضروری ہے مگر ان کے پاؤں اپنے سماج اور زمین سے اوپر نہیں اٹھتے۔ آپ اپنا ایک نظریہ حیات رکھتے ہیں۔ وہ ماضی کے تسلسل میں حال کی پہچان کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے یہاں انقلاب اورروماں کا ایک ایسا امتزاج ملتا ہے جس کی بنیاد مثالیت، انسان دوستی اور معاشرتی اصلاح کے ساتھ ساتھ سماجی رویوں پر بھی ہے۔

Scanned with CamScanner

بیمار ہو جاتا ہے۔ اتفاقاً اس کی ملاقات بازار میں صابر حسین سے ہو جاتی ہے۔ وہ اسے بیٹے کی بیماری کاحال سناتا ہے۔ عباسی بے قرار ہو کر اس کے ساتھ چلی جاتی ہے۔نصیر کا چہرہ اسے دیکھ کر بشاش ہو جاتا ہے۔ وہ صابر حسین کو بتاتی ہے کہ وہ حج پہ جا رہی ہے۔ مگر صابر حسین بچے کی حالت بیان کر کے اسے روک لیتا ہے۔ بعد میں جب عباسی اس سے کہتی ہے کہ تم نے مجھے حج پر جانے نہیں دیا تو صابر حسین کہتا ہے کہ تم نے میرے نصیر کو بچا کر حج اکبر کر لیا ہے۔"

بظاہر یہ ایک سیدھی سادی کہانی ہے۔ مگر اس میں بڑی گہری معنویت اور مقصدیت چھپی ہوئی ہے۔ معاشرے میں در حقیقت اس وقت عزت کا معیار دولت ظاہری ،مال و متاع بن چکا ہے۔ تقویٰ، پرہیز گاری، صلہ رحمی، ہمدردی کو کوئی کسی مول نہیں پوچھتا ۔پریم چند نے اس تحریر سے ثابت کیا کہ کسی شخص کے مقرب ہونے کا انحصار اس بات پر نہیں کہ وہ مذہب سے کتنا لگاؤ رکھتا ہے بلکہ اس بات پر ہے کہ اس کا وجود معاشرے کے لیے کتنا سود مند ہے اور یہی نیکی کا اصل معیار ہے۔

نوٹ: حجِ اکبر منشی پریم چند کے افسانوں کے مجموعے "پریم بیتی" سے لیا گیا ہے۔ جس میں ۳۱ افسانے ہیں اور پہلی مرتبہ اگست ۱۹۲۰ء میں شائع ہوئے۔

پریم چند سنین کے آئینہ میں

ء : پیدائش ، اصل نام دھنپت رائے، چچا نے نام رکھا۱۸۸۰

پریم چند، ابتدائی قلمی نام نواب رائے، دوسرا قلمی نام پریم چند۔

ء : مولوی صاحب سے اردو، فارسی پڑھنا شروع کی۔۱۸۸۵

ء : چھٹی جماعت میں داخل ہوئے۔۱۸۹۳

ء : میٹرک کیا۔۱۸۹۷

ء : پرائمری سکول میں نائب معلم مقرر ہوئے۔۱۸۹۹

ء : لکھنا شروع کیا۔۱۹۰۰

ء : پہلا ناول اسرارِ مابعد۔۱۹۰۲

ء، : دوسرا ناول کشانا، جونیئر انگلش ٹیچر کا امتحان پاس کیا۱۹۰۴

ہیڈ ماسٹر بنے۔

ء : پہلی کہانی"انمول رتن" لکھی۔۱۹۰۷

ء : سب ڈپٹی انسپکٹر مقرر ہوئے۔۱۹۰۸

ء : افسانوں کا دوسرا دور شروع ہوا، تاریخی اور اصلاحی۱۹۰۹

کہانیاں لکھیں۔

ء : تیسرا دور شروع ہوا، اصلاحی اور سیاسی کہانیاں۔۱۹۲۰

ء : ملازمت چھوڑدی۔۱۹۲۱

Scanned with CamScanner

ء : ملازمت چھوڑدی۔۱۹۲۱

ء : رسالہ ''مریادا'' کی ادارت سنبھالی۔۱۹۲۲

ء : گنگاہتک مالا میں ملازمت کی۔۱۹۲۵

ء : ہندی رسالہ ''مادھوری'' کی ادارت کی۔۱۹۲۸

ء : اپنا پرچہ '' ھنس'' نکالا۔۱۹۳۰

ء : چوتھا دور ، سیاسی اور فکری۔۱۹۳۲

ء : اکتوبر میں انتقال۔۱۹۳۶

افسانوں کے مجموعے

سوزِوطن(۱۹۰۸ء)،(۲)پریم دلچسپی اول (۱۹۱۵ء)، (۳)پریم دلچسپی دوم(۱) (۱۹۱۸ء)،(۴) پریم بتیسی (۱۹۲۰ء)، (۵) خاکِ پروانہ(۱۹۲۰ء)،(۶) خواب وخیال (۱۹۲۸ء)، (۷) فردوسِ خیال(۱۹۲۹ء)،(۸)پریم چالیسی(۱۹۳۰ء)، (۹) آخر ، تحفہ(۱۹۳۴ء)،(۱۰) زادِ راہ(۱۹۳۶ء)

کتابیات

۱۔سہیل بخاری، ڈاکٹر''افسانے کی غایت''، اقسام اور ابتداء''، صحیفہ سہ ماہی، جون، جولائی، اگست تیسرا سال، پہلا شمارہ، مجلس ترقی ادب لاہور، ص : نمبر۸۶

۲۔پریم چند، ''مضامین پریم چند''، مرتبہ: قمر رئیس ۱۹۶۰ء، یونیورسٹی پبلشرز مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ، ص: نمبر ۱۷۹

۳۔سہیل بخاری ، ڈاکٹر ''افسانے کی غایت، اقسام اور ابتداء''، صحیفہ سہ ماہی، جون، جولائی، اگست تیسرا سال، پہلا شمارہ، مجلس ترقی ادب لاہور، ص : نمبر ۸۶

۴۔مسعود رضا خاکی، ڈاکٹر''اردو افسانے کا ارتقاء۔ ۱۹۸۷ء'' ، مکتب﷽ خیال، اسلام پورہ، لاہور، ص: نمبر۱۱۲

۵۔پیارے لال شاکر میرٹھی، ''مبادیات افسانہ نگاری''، ادبی دنیا، فروری ۱۹۴۰ء رسالہ ادبی دنیا ، لاہور جلد:۱۰ نمبر ۲، ص: نمبر ۴۴

۶۔مسعود رضا خاکی، ''اردو افسانے کاارتقاء ۱۹۸۷ء'' مکتبۂ خیال اسلام پورہ لاہور، ص: نمبر ۱۱۲

۷۔عبادت بریلوی ، ڈاکٹر ''تنقیدی زاویے۔۱۹۵۱ء''، مکتبۂ اردو ، لاہور، ص: نمبر ۲۳۵

*پریم چند، فکر و فن۔ ڈاکٹر قمر رئیس

*پریم چند کا تنقیدی مطالعہ۔ مرتبہ مشرف احمد

*اردو افسانے کا ارتقاء۔ ڈاکٹر مسعود رضا خاکی

*اردو افسانے میں رومانی رجحانات۔ ڈاکٹر محمد عالم خان

***

Scanned with CamScanner